باب التقریظ والانتقاد

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریۂ توحید

از ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر دہلی یونیورسٹی

عنوان بالا ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی کے مقالہ کے انگریزی نام کا ترجمہ ہے اس مقالہ کو پیش کرنے پر ڈاکٹر صاحب کو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی جو ان کی فضیلت اور علمیت کی بین دلیل ہے۔ یہ مقالہ دفتر برہان میں بغرض تبصرہ آیا ہے، ہم اس پر ذیل کے خیالات قلمبند کرتے ہیں

مقالہ ۱۹۳ صفحے پر مشتمل ہے پہلے آٹھ صفحوں میں مقالے کا نام، انتساب باسم سامی عالیجناب فضائل اکتساب سیادت مآب ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب مؤلف کے اُستاد، دو صفحوں میں ان کا پیش لفظ اور فہرست مضامین پھر دو صفحوں میں مقطعات کی تشریح یعنی مآخذ کے ناموں کی تصریح شامل ہے جن کی تعداد پچیس ہے۔

مقالہ کا ابتدائیہ حضرت مجدد الف ثانی کے سوانح حیات، ان کے زمانہ کے احوال، ذاتی کمالات اور اثر و رسوخ پر منقسم ہے۔ (صفحہ ۷ تا ۳۱)

اس کے بعد چالیس صفحے کا مقدمہ وحدت پر ہے (صفحہ ۳۵ تا ۸۴) باب اول ابن عربی کے عقیدۂ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانی کے عقیدہ پر مشتمل ہے (صفحہ ۸۵ تا ۱۱۷)

باب دوم میں شاہ ولی اللہ، خواجہ میر ناصر و میر درد، مولوی غلام یحییٰ، شاہ رفیع الدین اور شاہ سید احمد بریلوی صاحبان غفر اللہ لہم کا محاکمہ وحدت وجود اور وحدت الشہود کے بارے میں ہے مسئلہ وحدت کو بقول ڈاکٹر برہان احمد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے نئے انداز میں پیش کر کے اسے وحدت وجود کے حشو و

زوائد سے پاک کیا، یہ محاکمہ از صفحہ ۱۴۱ تا ۱۷۱ ہے۔ آخر میں صفحہ ۱۷۱ سے ۱۸۷ تک ڈاکٹر صاحب نے تلخیص مطالب کیا ہے صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۲ حامل اشاریہ ہے

مآخذ میں دو کتابوں کے نام نظر نہیں آئے۔ یا تو ڈاکٹر برہان احمد صاحب نے عمداً ان سے استفادہ نہیں کیا یا وہ سہواً رہ گئیں۔ ان میں سے ایک شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کا ایک مختصر رسالہ فیوض الحرمین (مطبوعہ ۱۳۰۷ھ) ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالہ میں اپنے دورانِ حج کے مکاشفات ثبت فرمائے ہیں شاہ صاحب حج کو ۱۱۴۳ھ میں تشریف لے گئے اور غالباً واپسی پر یا دورانِ حج میں یا حج کے بعد ہی یہ رسالہ مرتب ہوا ہوگا۔ اس رسالہ کی اہمیت اس بات سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر برہان احمد صاحب شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کو اپنے مقالہ کے صفحہ ۸۴ پر حامیانِ وحدت الوجود میں شمار کرتے ہیں مگر شاہ صاحب کا رسالہ فیوض الحرمین اس کے برخلاف ثبوت و شہادت کا حامل ہے جس سے ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے حج سے پیشتر یعنی ۱۱۴۳ ہجری سے پہلے ہی وحدت الوجود کے بارے میں اپنا عقیدہ بدل دیا تھا۔ نیز شاہ صاحب کا سنہ وفات بقول ڈاکٹر برہان احمد صاحب (حاشیہ تحتی ۲ صفحہ ۳) ۱۱۷۶ ہجری ہے۔ وحدت الوجود کی نسبت شاہ صاحب کے ذیل کے اقتباسات قابلِ غور ہیں:۔

مکاشفہ اول رسالہ فیوض الحرمین صفحہ ۳: شطرٌ منهم اهل الاذكار.... قد ظهرت على قلوبهم الانوار وعلى وجوههم نضارة والجمال وهم لا يعتقدون وحدة الوجود.... اسی مکاشفہ میں شاہ صاحب معتقدین وحدت الوجود کی نسبت فرماتے ہیں:۔ ظهرت على قلوبهم خجالة والمجام.... على وجوههم سواد ونحول۔

صفحہ ۴ پر انہی حضرات کے بارے میں شاہ صاحب کا ارشاد ہے واما اصحاب وحدة الوجود فانهم وان اصابوا فی المسئلة لکنهم اخطأوا مشربهم من الحق لانهم لما سرحوا افکارهم فی

مرعی السریان ضاع من ایدیھم التعظیم والمحبۃ والتنزیہ التی عرفت بھا الملاء الاعلی ربھا وورثتھا من قوی الافلاک بحکم الفطرۃ فامتلاء العالم بمعرفتھم وما ورثوہ منھا فلم تتھذب نفوسھم...

دوسری کتاب جو ڈاکٹر برہان احمد صاحب سے متروک ہوگئی وہ حضرت شیخ عبدالقدوس اسمٰعیل صفی الحنفی گنگوہی کے مکتوبات قدوسیہ ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۰۷ھ میں شہر دہلی کے مطبع احمدی میں طبع ہوئی تھی۔ اس کے صفحات ۱۱۵ تا ۱۱۸ میں "تنبیہ بر عدم جواز کلیہ واجب الوجود در شرع" پر ایک مکتوب ہے اس کے ایک ضروری جز کو جس کا موضوع حاضر سے تعلق ہے ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں: قال صاحب العوارف ... فالعلم موھوبۃ من اللہ للقلوب وآں جملہ علوم دین و نور یقین است ..... قال اللہ تعالیٰ "انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا" قال ابن عباس رضی اللہ عنہ "الماء العلم والاودیۃ القلوب .... قال علیہ السلام علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، وذلک العلم باللہ والعرفان بہ، من عرف اللہ عرف الاشیاء باللہ ولا یحجبہ الاشیاء عن اللہ فاعرف حق العرفان کشفا مشاھدۃ وحینئذ لا یخطر بالہ غیر المعبود و ویتقن انہ لا یتصور فی العقل تکثر واجب الوجود .... وچوں عاقل آں بود کہ محال قبول نکند و در عقل مجال آں نبود کدام عاقل بود کہ بجز وحدت الہ مائل بود و بہ تکثر واجب الوجود بعقل قائل بود فانہ وبال التصور بہ خیال، الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل والباطل فانی والحق باقی ..... (صفحہ ۱۱۷) وایضاً لو کان واجب الوجود کلیاً لکان اللہ تعالیٰ جزئیا والکلی جزء الجزئی فلیزم الترک فی ذات اللہ تعالیٰ ....

واضح رہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس حضرت مجدد الف ثانی سے کچھ نہیں تو پچاس سال قبل ضرور تھے۔ وہ سلطان سکندر لودھی اور بابر کے ہم عصر تھے، ان دونوں بادشاہوں کے نام ان کے دو مکتوب بھی کتاب مذکورۂ بالا میں ملتے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس کا عقیدہ تکثر واجب الوجود کے بارے میں ظاہر ہے۔ صفحہ ۸۱ پر ڈاکٹر برہان احمد صاحب کا یہ فرمانا کہ "عملاً ہر شخص نے وحدت الوجود کے عقیدے کو قبول کر لیا تھا اور روحانی تجربے کی بنا پر وہ اس کا متبع تھا یا اس پر اعتقاد رکھتا تھا"۔ ایک کلیہ کا حکم رکھتا ہے جس کو عقل سلیم اقتباسات صدر کی موجودگی

میں تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ البتہ ہمیں اس بات کا اعتراف ضرور ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جس شدت سے وحدت الوجود کی مخالفت میں سرگرمی کا اظہار فرمایا وہ دوسرے اکابر صوفیہ سے ظاہر نہیں ہوئی۔

ہمیں اس بات کا پورا احساس نہیں بلکہ علم ہے کہ اوکسفورڈ اور کیمبرج جیسی معروف یونیورسٹیاں پی ایچ ڈی کے مقالے کو بالعموم اڑھائی سو ٹائپ شدہ صفحات سے متجاوز نہیں ہونے دیتیں اور غالباً اسی اختصار کے تقاضے کا نتیجہ ہے کہ ڈاکٹر برہان احمد صاحب کے مقالے میں بعض اصطلاحات کی تعریفیں مزید بیان تشریح کی محتاج رہ گئی ہیں۔ مثال کے طور پر صفحہ ۱۲ کے حاشیہ تحتی نمبر ۱ کو لیجیے اس میں تصوف کی جو تعریف ہے اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ مجہول کو مجہول کے ذریعہ روشناس کیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۹ پر حاشیہ تحتی ۲ کے ضمن میں adrimberation لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے مگر صفحہ ۹۳ پر اس کو ظلیت کا مرادف قرار دے کر اصطلاح بنایا ہے۔ نیز صفحہ ۲۹ میں اس لفظ کا املا غلط ہے اس قسم کی اور مثالیں بھی اس مقالے میں نظر آتی ہیں جن کو غیر ضروری سمجھ کر ہم نے عمداً حذف کر دیا ہے مگر ولایت کے ناقدین ان کو سخت سقم شمار کرتے ہیں۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

صوفیائے کرام کی بعض مستند اور معتبر احادیث بھی اسی اختصار کی شاکی ہیں مثلاً خلق آدم علی صورتہ اور کنت کنزاً مخفیہ بلکہ دوسری حدیث کی تشریح تو بالاتر از عقل معلوم ہوتی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۵ و ۹۶) خدا کو اپنی تکمیل کی کیا ضرورت وہ تو خود مکمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مقصدِ تخلیق کائنات کے مسئلے کا تعلق ہے عقائد سے اور اکثر عقائد کی معقول تشریح وقت طلب امر ہے اس سے عہدہ برآ وہی ہو سکتا ہے جس کو توحید الٰہی حاصل ہو نیز اس بحث کا سرا ذات الٰہی میں منتہی ہوتا ہے اور وہ بالاتر از عقل و فہم و ذکا ہے۔ اس کو ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ دنیا کے کسی مذہب نے اس مقدمہ کو حل نہیں کیا۔

عہد جہانگیری کے اکثر امرا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مرید تھے لیکن ان کا سلسلہ ارادت اکبر کے زمانہ سے تھا۔ عبدالرحیم خان خاناں کی بیوی خانِ اعظم کی بہن ماہ بانو کا انتقال لاہور سے آتے ہوئے ہوا تو

اول اس کی لاش امانتاً سرہند میں رکھی گئی۔ جب دہلی میں اس کا مقبرہ تیار ہوگیا (یہ مقبرہ اب خان خاناں کے نام سے مشہور ہے) تو پھر وہاں منتقل ہوئی۔ اس کا مختصر ذکر تو اکبرنامے کی تیسری جلد میں ملیگا اور تفصیل آثر رحیمی مخطوطہ کیمبرج یونیورسٹی میں۔ عبدالرحیم خان خاناں کی باقی نصف عمر دکن میں گذری، وہ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت بھی دکن ہی میں رہا۔ تخت نشینی کے تین سال بعد ۲۴ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ ہجری کو آیا۔ (تزک صفحہ ۷۰) ۲۱ جمادی الثانی کو دکن کی مہم کو سر کرنے کا ذمہ لے کر واپس دکن کو لوٹ گیا۔ جب دو سال میں اس سے مہم سر نہ ہوئی (کیونکہ اس کے ساتھ جو امرا تھے ان سے پوری امداد نہیں ملی (تزک ۔ ۸۶) تو دربار میں حاضر ہوگیا۔ کالپی اور قنوج جاگیر میں ملے ساتھ ہی حکم ہوا کہ اس علاقہ کے سرکشوں کا قرار واقعی بندوبست کرو (مآثر الامرا، جلد اول ۷۰۳) دکن میں خانجہاں پہلے سے موجود تھا، اس نے خان خانان کی کاٹ میں جہانگیر کو اس کے خلاف تحریریں بھیج کر اُبھارا۔ دکن کی سرداری خود اس کی درخواست پر اسے ملی (تزک ۸۶) مگر پھر بھی جہانگیر مجبور ہوا کہ اس کی امداد کے لیے خان اعظم کو دکن بھیجے (تزک ۸۸) ساتھ میں مہابت خاں کو بھی روانہ کیا (تزک ۸۹) ۱۰۳۱ھ میں خواجہ ابوالحسن نے بادشاہ کو سمجھایا کہ دکن کے معاملوں کو سمجھنے میں خان خاناں کو کوئی نہیں پہنچتا، دوبارہ اسی کو بھیجیے (تزک ۱۰۸) چنانچہ ابوالحسن اور خان خاناں دونوں پھر دکن بھیجے گیے۔ ۱۰۳۱ھ میں جہانگیر اور شاہجہاں کے تعلقات بگڑے تو معاملہ دگرگوں ہوا۔ خانخاناں کو مہابت خاں نے گرفتار کرلیا ۱۰۳۲ھ میں دربار میں طلب ہوا، جانشینی کے قضیے پیدا ہوگئے۔ نورجہاں شہریار کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی۔ ادھر شاہجہاں کے حامی بھی کم نہ تھے۔ مہابت خاں باغی ہوگیا۔ اس کی سرکوبی کے لیے خانخاناں مقرر ہوا۔ لاہور میں بیماری نے گھیرا اور دہلی میں ۱۰۳۶ھ میں آخرت کو سدھارا۔

جہانگیر کے پانچویں سال جلوس میں خان اعظم دکن گیا اور وہاں سے درخواست کی کہ مجھے رانا کے اودے پور کی مہم پر بھیجا جائے، نویں سال جلوس میں گوالیار میں قید ہوا۔ اور ایک سال کے بعد آزاد۔ ۱۰۳۲ھ میں سلطان داور بخش ابن خسرو کا اتالیق ہوکر گجرات گیا اور اگلے سال وہیں مرگیا (مآثر الامرا، جلد اول ۶۸۷-۸۹)

اب رہا مہابت خاں، اس کی بھی سُنیے کہ وہ باغی ہوا تو قابو پاکر بادشاہ کو اپنے ساتھ کابل لے گیا وہاں اُس کے جاں نثار راجپوتوں میں سے بہت سے کام آئے۔ اس سے اس کے اقتدار میں ضعف آیا اور آخر بادشاہ کو نورجہاں کی دانشمندی سے مہابت خاں کے پنجے سے رہائی ملی (تزک صفحہ ۴۰۱ تا ۴۱۲، مآثرالامرا جلد سوم، صفحہ ۳۹۲ تا ۳۹۷)

لیکن ڈاکٹر برہان احمد صاحب نے یہ ثابت نہیں کیا کہ کونسے سنہ میں عبدالرحیم خاں خاناں یا دوسرے امرا کو ارادت کی بنا پر دور دست صوبوں اور شہروں میں تبدیل یا مقرر کیا گیا۔ اوپر جو واقعات ہم نے مجملاً بیان کر دیے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی قید کا واقعہ ۱۰۲۸ھ کا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب رہائی کو بھی ۱۰۲۸ھ کا واقعہ شمار کرتے ہیں اور طرفہ یہ کہ نذر و عطائے خلعت کے مآخذ کے لیے تزک جہانگیری کے صفحہ ۳۷۲ کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ ایک فاحش غلطی ہے۔ تزک جہانگیری کے صفحہ ۴۰۱ سے واضح ہوتا ہے کہ جہانگیر کا رویہ حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں ابھی تک نہیں بدلا تھا، کیونکہ اس صفحہ پر نقشبندیوں کا ذکر ان الفاظ میں ہے:۔

"درین روزہا معروض گردید کہ مہابت خاں صبیہ خود را بخواجہ برخوردار نام بزرگ زادہ نقشبندی نسبت کردہ وچوں ایں وصلت بے اذن و رخصت آں حضرت شدہ بود بر خاطر اشرف گراں آمد و را بحضور اقدس طلبیدہ فرمودند کہ چرا بے دستوری باچنیں عمدۂ دولت را گرفتہ ..... بحکم اشرف شلاق پشت ورساخوردہ محبوس گردید"

صفحہ ۴۰۲ پر اسی ضمن میں یہ عبارت ہے:۔

"در باب خواجہ بخوردار پسر خواجہ عمر نقشبندی کہ مہابت خاں دختر خود را با و نسبت نمودہ وسابقاً مذکور شد کہ او را نیز چنگ زدہ بزنداں سپردند، حکم شد کہ آنچہ مہابت خاں باو دادہ فدائی خاں تحصیل نمودہ بخزانہ عامرہ رساند"

یہ عبارت ۱۰۳۵ ہجری کے واقعات سے لی گئی ہے، پس جہانگیر کی ندامت اور حضرت مجدد الف ثانی کی استمالت اور رہائی اور ان کو خلعت و نذر دینا کہاں تک درست ہے۔

علاوہ برآں ۲۷۳ صفحہ پر جس نذر اور پیشکش کا ذکر ہے وہ شاہزادہ پرویز کی نذر و پیشکش ہے جو جہانگیر کی خدمت میں پیش ہوئی تھی۔ اس ضمن میں ہم اس بات کا اظہار کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ تزک جہانگیری کے جو حوالے اوپر نقل ہوئے ہیں وہ غازی پور کی ۱۸۶۳ء کے اڈیشن سے ہیں۔ لیکن یہ بھی سرسید کے اہتمام سے طبع ہوئی تھی اور ان کے ذاتی (یا نج کے) مطبع میں۔

اس کسی قدر طویل توضیح کے بعد ہم مجبور ہیں کہ ڈاکٹر برہان احمد صاحب کی تاریخی تفتیش اور چھان بین کی طرف سے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کریں۔ جس کتاب سے بھی ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعات لیے ہیں، یقیناً ان کا لکھنے والا آج کل کے واعظان خوش عقیدہ کا ہم پلہ ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی قوتِ اجتہاد کے ضعف کا ایک اور نمونہ یہ ہے کہ صفحہ ۱۶ پر وہ مخدوم الملک کے اس فتوے کا ذکر کرتے ہیں جو اس نے حج کے عدم جواز کے بارے میں دیا تھا، اگر اس کے ساتھ وہ ملا عبدالقادر بدایونی کے ان اقوال کو بھی نقل کرتے یا کم از کم مطالعہ کر لیتے جو اس مورخ نے ابوالفضل اور اکبر کے بارے میں اکبر کو علماء کی طرف سے مرتبۂ اجتہاد تفویض کرنے والے محضر کے بارے میں لکھے ہیں تو مخدوم الملک کو ڈاکٹر صاحب اس درجہ مورد الزام قرار نہ دیتے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی نہیں بتایا کہ مہابت خاں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے حبس کے وقت کہاں تھا۔ صرف اتنا لکھ دیا کہ اس نے اس فعل شنیع کی پاداش میں جہانگیر کو قید کر لیا اور خطبہ سے اس کا نام خارج کر دیا، لیکن بادشاہ کی قید کا واقعہ ۱۰۳۵ھ کا ہے۔ نیز ۱۰۳۸ھ میں مہابت خاں بنگش کی مہم پر افغانوں کی سرکوبی کے لیے مامور تھا (تزک ۸۹ - ۲۸۷) فاعتبروا یا اولی الابصار

ہاں اس بات کے تسلیم کرنے میں ہمیں چنداں پس و پیش نہیں کہ آصف خاں نے مذہبی تعصب

کی بنا پر شاید حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی ان مساعی کو نظر استحسان نہ دیکھا ہو جو ان کی جانب سے تشیع کے خلاف ظہور میں آرہی تھیں لیکن آصف خاں کے اس رویہ کی یہ مثال بھی شاید واحد مثال ہوگی۔ مگر اس کے برخلاف معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ آصف خاں نے قاضی نوراللہ شوستری کی کیوں حمایت نہ کی۔ ممکن ہے حضرت مجدد الف ثانی پر جو سختی ہوئی ہے وہ قاضی نوراللہ شوستری کے قتل کے باعث اشتعال کی وجہ سے ہو۔

اس مقالے میں ہمیں بعض مغرب زدگی کی مثالیں بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۳۵۔۳۶ پر حاشیہ تحتی ۱ کے ضمن میں مغاربہ کی تقلید محض ہے۔ امام مالک ابن انس کا حضرت اویس قرنی علیہ الرحمہ کی ہستی کے بارے میں شبہ سرآنکھوں پر مگر پروفیسر کرینکاو کے ذاتی یقین پر حصر چہ معنی، اور پھر اس پر تتم یہ کہ دوسروں کے اقوال کے تفحص و تفتیش سے گریز اور ذاتی اجتہاد۔ ہم اس قبیل کی فروگذاشت کی ایک اور مثال بھی درج کرتے ہیں۔ صفحہ ۳۸ کے دوسرے پیراگراف کے دوسرے فقرے میں ڈاکٹر برہان احمد صاحب یہ رائے ظاہر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے عہد بابرکت سے پیشتر علم تمام تر فقہ کے دائرہ میں محدود تھا۔ اس دعوے کا ثبوت؟ کیا ڈاکٹر صاحب اس سے یہ مُراد لیتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند تصوف کی طرف سے لاپرواہ ہو چلے تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے تراجم پر ایک نظر ڈال لیتے تو یہ غلطی سرزد نہ ہوتی۔

اختصار کے ہاتھوں ڈاکٹر برہان احمد صاحب سے جو سہو ہوئے ہیں ان کی فہرست میں ایک اور سہو کا اضافہ ہوتا ہے۔ صفحہ ۲۳ کو پڑھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ۱۰۲۶ھ یا اس سے قبل کا زمانہ اصلاح کے لیے بآوازِ بلند پکار رہا تھا، عامۃ الناس یا کم ازکم صوفیا میں ایک روحانی اضطراب تھا۔ خدا خدا کرکے حضرت مجدد الف ثانی نے اس کو دور کیا، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ سلسلہ مضمون بیک زقند حضرت خواجہ میر ناصر عندلیب (المتوفی ۱۱۷۲م) سے مل جاتا ہے۔ درمیانی طفرہ کا سبب اور وجہ غائب حالانکہ درمیان میں ڈیڑھ سو سال کا وقفہ ہے۔ اس سے معترض کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے کہ خدانخواستہ حضرت مجدد الف ثانی کی مساعی جمیلہ کما حقہ طور پر یا تو بارآور نہیں ہوئیں یا سرے سے ناقص رہیں کہ ان کے

متبعین میں سے ایک یعنی حضرت خواجہ میر ناصر کو امام حسن علیہ السلام نے طریقہ محمدی تلقین فرمایا۔ شاہ سید احمد بریلوی کی جو دوسری مثال دی گئی ہے وہ بھی اسی اعتراض کے تحت میں آسکتی ہے۔

اس کتاب میں ایک اور کمی جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ معقول اور منقول کو مضمون کی تشریح میں سمو لیا جاتا تو سونے پر سہاگے کا کام دیتا۔ کتاب مبین میں ان آیات کی کمی نہیں جن سے ڈاکٹر صاحب کے نظریے کو مزید تقویت پہنچتی

ہمارے نزدیک اس مقالہ کا بہترین حصہ باعتبار براہین و دلائل صفحات ۵۴ تا ۸۴ ہیں اور ڈاکٹر صاحب اپنے فلسفی استدلال کے لیے علم کے شائقین اور مسلم مفکرین کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ان صفحات میں انہوں نے اثبات واجب الوجود اور متعلقہ مسائل کو نہایت کامیابی کے ساتھ ذہن نشین کیا ہے۔ اور اسی حصہ کو جائز طور پر ان کا ذاتی مضمون کہہ سکتے ہیں۔ باقی شیخ اکبر ابن العربی اور حضرت محمد الف ثانی کے نظریوں پر محاکمہ ہے۔ یا حضرت مجدد الف ثانی کے نظریہ کا تجزیہ، ہماری رائے میں ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ، خواجہ میر درد اور ان کے والد خواجہ میر ناصر، مولوی غلام یحییٰ، شاہ رفیع الدین اور شاہ سید احمد بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے آرا یا فلسفیانہ اعتراضات کا خلاصہ آتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے عقائد کی تشریح ہم ابتدائے مضمون میں کر چکے ہیں، خواجہ میر درد اور ان کے والد حضرت خواجہ میر ناصر عندلیب نے بیچ کا راستہ اختیار کر کے مناقشے سے گریز کیا ہے۔ مولوی غلام یحییٰ صاحب حضرت مجدد الف ثانی کی حمایت میں قلم سنبھالتے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریے پر اعتراض کرتے ہیں، شاہ رفیع الدین ان کی تردید کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ سید احمد بریلوی صاحب بھی اسی ضمن میں اپنے خیالات اور عقائد کا اظہار کر کے اس بحث میں شرکت فرماتے ہیں۔

آخر میں جو خموشی چھا جاتی ہے اس کی وجہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ لوگ حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد الف ثانی کے ادب کے خیال سے زبان ہلانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اس ضمن میں کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ حقیقت کی مثال روشنی کی سی ہے۔ اگر لالٹین کی چمنی میں کئی رنگ کے شیشے ہیں یا بجلی کے قمقمے کو کئی رنگوں سے رنگ دیا جائے تو اس سے اصل روشنی یا حقیقت کی اصلیت میں کوئی فرق آسکتا ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہوگی کہ دیکھنے والے کو روشنی اسی رنگ کی نظر آئیگی جس رنگ کے شیشے میں سے وہ گذر رہی ہے۔

ابن عربی کے عقیدے کے متعلق ہم اتنا ضرور عرض کرینگے کہ وہ اسپین سے تشریف لائے کیا عجب ان کے بعض خیالات اسپین کے ماحول کا بھی اثر پڑا ہو۔ ایران دائرہ اسلام میں داخل ہونے کو تو داخل ہو گیا لیکن افسوس ہے کہ اسلامی عقائد نے قدیم مجوسی تہواروں کے منانے میں کوئی مزاحمت پیدا نہیں کی۔ اسی طرح نقشبندیہ فرقے کی بعض باتیں بقول علامہ اقبال مرحوم ہندوستان کے جوگیوں سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ (ایرانی مابعد الطبیعات)

کتاب کی طباعت اور کاغذ نفیس اور دیدہ زیب اس کے ناشر شیخ محمد اشرف کتب فروش کشمیری بازار لاہور اس کتاب کی قیمت تین روپیہ ہے۔

اخیر میں ہم ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی خدمت میں ان کی کامیاب تصنیف پر ہدیۂ مبارک باد پیش کرکے دعا کرتے ہیں کہ علمی ذوق کے ساتھ وہ عرفان کا ذوق بھی رکھتے ہیں تو خداوند کریم انہیں مدارج بلند کرامت فرمائے۔

مہینہ میں دو بار

انور

مشہور ترین متبحر عالم امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ الکشمیریؒ کی زندۂ جاوید یادگار، دیوبند کے ہوشمند فضلا کی ایک جماعت "انور" کے ادارۂ تحریر میں شامل ہے۔ مہینے میں دو دفعہ کتابت وطباعت کی دلکش خوبیوں ترتیب وتسوید کے محاسن اور تازہ وبلند پایہ مضامین کی جاذبیتوں کے ساتھ ٹھیک وقت پر شائع ہوتا ہے۔

انور کے حلقۂ اشاعت کی توسیع کرنا حضرت علامہ کشمیری کے علوم ومعارف کو پھیلانا ہے۔ سالانہ چندہ عہ

جملہ خط وکتابت اور ارسال زر کا پتہ:-

مدیر جریدہ "انور" شاہ منزل دیوبند